OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

تمنا عمادی کی تحریرات: تفسیری مباحث کا تجزیاتی مطالعہ

Tamanna Emadi's Writings: An Analytical Study of Exegetical Discourses

Mutih Ur Rehman
Doctoral Candidate, University of Education, Lahore
Atif Ali Siddiqui
Doctoral Candidate, University of Education, Lahore
Hafiz Muhammad Bilal
Doctoral Candidate, University of Education, Lahore

Abstract

This article explores the unique and reformist approach of Allama Tamanna Imadi towards Quranic interpretation. He is characterized by his inclination to diverge from traditional narratives and his commitment to interpreting the Qur'an primarily through the Qur'an itself. This methodology often led him to conclusions that were not only different from but at times in direct opposition to the consensus of mainstream Sunni exegetes. In certain instances, he openly rejected the views of classical scholars and insisted on his interpretations as definitive. For example, he held the controversial belief that during the first revelation in the Cave of Hira, a written form of the Qur'an was presented, taught to the Prophet ﷺ, and even transcribed by him contrary to the established Sunni narrative of the Prophet's illiteracy at that time. Furthermore, he strongly opposed the practice of enslaving war captives and equated sexual relations with female slaves without marriage to fornication. He also asserted that the

Qur'an was compiled and codified during the Prophet's lifetime, dismissing the traditional view that this occurred during the caliphate of Abu Bakr (RA), considering the latter claim to be a fabrication introduced by later figures.

Keywords: Allama Tamanna Imadi, Quranic interpretation, mainstream Sunni, classical scholars, cave of hira, Sunni narrative, war captives

تمہید

ہماری تحقیق کا موضوع علا تمنا عمادی کی تفسیری مباحث کا تجزیاتی مطالعہ ہے۔ جس میں ہم علامہ صاحب کی آیات قرآنی کے حوالے سے کی گئی وہ تفسیر زیر بحث لائیں گے جو جمہور مفسرین اور اہل سنت کی روایات سے مختلف ہے۔ موصوف اکثر تفسیری روایات میں ایک منفرد اور قلیدی مؤقف رکھتے ہیں اور بعض اوقات باقاعدہ چیلنج کے ساتھ روایت پسند طبقے کو مخاطب کرتے ہیں۔ علامہ صاحب روایات سے کچھ فاصلے پر رہتے ہیں اور اکثر احادیث کو موضوع اور من گھڑت قرار دیتے ہیں مگر ایک طرف ان کا کہنا یہ ہے کہ میں صرف صحیح حدیث کو تسلیم کرتا ہوں مگر دوسری طرف ان کی تصنیفات میں احادیث سے استدلال بھی نہیں پایا جاتا بلکہ وہ خود ہی قرآنی آیات سے من پسند تفسیر اخذ کر رہے ہوتے ہیں اور اسے ہی حرف آخر سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کا ان پر منکرین حدیث ہونے کا الزام ہے۔ اسی ضمن میں حافظ زبیر علی زئیؒ لکھتے ہیں:

تمنا عمادی کے نزدیک احادیث صحیحہ کا وجود "منافقین عجم" کی متفقہ سازش کا نتیجہ ہے اور اصل حجت قرآن پاک کا وہ مفہوم ہے جو تمنا عمادی نے سمجھا ہے۔ تمنا کے مطابق کوئی حدیث بھی جو موجودہ کتب احادیث میں ہے چاہے وہ صحاح ستہ ہی نہیں بلکہ ساری کتب احادیث کی متفق علیہ ہی کیوں نہ ہو، اس وقت تک صحیح نہیں کہی جاسکتی جب تک درایت قرآنیہ اس کی صحت پر مہر تصدیق ثبت نہ کر دے۔ یہاں درایت قرآنیہ سے مراد تمنا عمادی اور اس کی کمپنی کے لوگوں کی خود ساختہ درایت ہے۔[1]

تعارف

علامہ تمنا عمادی صوبہ بہار کے ایک مردم خیز قصبہ پھلواری کے رہنے والے تھے، اور ایک ایسے علمی و دینی خاندان کے رکن تھے جہاں دو سو سال سے علم و مشیخت کا سلسلہ قائم ہے۔ آپ 14 جون، 1888ء کو پیدا ہوئے۔ والدین نے نام حیات الحق رکھا تھا پھر وہ اپنے ننھیالی نام محمد محی الدین سے مشہور ہوئے اور بعد ازاں تمنا عمادی کے نام سے شہرت پائی۔ درس نظامی کی تکمیل تمنا صاحب نے اپنے والد شاہ نذیر الحق سے کی۔ گویا عربی زبان اور فارسی زبان میں منتہی الکمال تھے۔ انگریزی زبان سے نابلد تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اولاً مدرسہ حنیفیہ، پٹنہ میں ملازمت اختیار کرلی۔ یہاں تمنا 1910ء سے 1918ء تک عربی زبان اور فارسی زبان کے مدرس رہے۔ فارسی اور عربی ادب میں علامہ شبلی سے استفادہ کیا۔ 1948ء میں علامہ تمنا اپنے اہل و عیال کے ہمراہ ہجرت کر کے ڈھاکہ چلے گئے۔ ڈھاکہ جاتے ہوئے وہ اپنا کتاب خانہ بھی ساتھ لے گئے تھے۔ وہاں حکومت پاکستان نے انھیں رہائش کے لیے ایک وسیع مکان دیا۔ علمی حلقوں میں خاصی آؤ بھگت ہوئی۔ وہ طویل عرصے تک ریڈیو ڈھاکہ

سے درس قرآن نشر کرتے رہے۔ پھر آنکھ کے آپریشن کے سلسلے میں کراچی آگئے اور یہاں بقیہ زندگی کے ایام بسر کیے۔ آپ 27نومبر1972ء کو گلے کے سرطان کے باعث کراچی میں انتقال فرما گئے۔[2]

علامہ صاحب کی علمی خدمات

علامہ تمنا صاحب کی تصانیف ادب اور شاعری کے لحاظ سے بھی اور مذہبی و اسلامی حوالے سے بھی کثیر تصانیف موجود ہیں جن میں : مثنوی مذہب و عقل، مثنوی معاش و معاد، ایضاحِ سخن، رسالہ تذکیر و تانیث، افعالِ مرکبہ، تمنائے سخن، اعجاز القرآن، سبعہ قراءت، الدرر الثمین، الصلاۃ الخمسہ، جمع القرآن، الطلاق مرتن وغیرہ۔ ذیل میں ہم ان کی مختلف تصانیف سے قرآنی آیات کی تفسیر کے حوالے سے منفرد نظریہ پیش کریں گے اور ساتھ ہی ان کا جمہور مفسرین سے علمی محاکمہ بھی کریں گے۔

قرآن کا مصحف کی شکل میں نزول

علامہ صاحب سورۃ علق کی ابتدائی آیات جو کہ نزول وحی کے آغاز کا سبب تھیں، پر ایک عجیب و غریب اور منفرد مقدمہ قائم کرتے ہیں کہ جب پہلی دفعہ فرشتہ آں حضور ﷺ کے پاس آیا تو اس کے پاس لکھی ہوئی صورت میں الفاظ موجود تھے۔ نہ صرف سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات لکھی ہوئی تھیں بلکہ ان سے پہلے بسم اللہ بھی لکھی ہوئی تھی کیوں کہ ہر سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا قرآن کے تواتر سے ثابت ہے۔ اور مزید یہ کہ جب فرشتے نے پڑھنے کا کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں پڑھنا لکھنا نہیں جانتا پھر جب بار بار آپ ﷺ کو سینے کے ساتھ لگا کر بھینچا تو آپ ﷺ کو پڑھنا آگیا اور وہ اپنے ساتھ ایک لکھا ہوا نسخہ لے کر آئے تھے جس چیز کے پڑھنے کا آپ ﷺ کو سکھایا گیا۔ چناچہ علامہ صاحب لکھتے ہیں:

> "لہٰذا آغاز وحی کے سلسلے میں صحیح صورت حال وہی بنتی ہے جس کا تذکرہ ہم نے پہلے کیا۔ یعنی غار حرا میں حضرت جبریل آئے۔ آکر انہوں نے پہلے اپنا تعارف کرایا، پھر حضور ﷺ کو تلقین ایمان کی وحی زبانی (غیر متلو) کی۔ پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ سورۃ فاتحہ کی وحی قرآنی پیش کی پھر وہیں عملاً طریقہ صلوۃ سکھایا۔ پھر اسی موقع پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات اس کتاب میں پڑھوائیں جو ایک ریشمی رومال میں لائے تھے۔"[3]

مندرجہ بالا مقدمہ پیش کرتے ہوئے علامہ صاحب جمہور مفسرین اور محدثین کی آراء سے بالکل الگ رائے قائم کرتے ہیں اور مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ اس مؤقف پر کسی قسم کا حوالہ بھی نقل نہیں کرتے کہ کہاں سے انہیں یہ اطلاع ملی اور کس بنیاد پر وہ یہ کہانی بنا رہے ہیں۔ ان کا کہنا بس اتنا ہے کہ چونکہ پڑھنے کا کہا گیا تو آپ ﷺ کا ایسا جواب ارشاد فرمانا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا پھر لازمی کچھ لکھا ہوگا جس کو پڑھنے کا حضرت جبریلؑ نے اصرار کیا اور جب گلے لگایا تو آپ ﷺ میں پڑھنے کی صلاحیت رکھ دی گئی۔ چناچہ مزید لکھتے ہیں کہ:

> "اقراء، جس کے حکم سے اس سورۃ کی ابتداء ہے اس حکم کی تعمیل کی صلاحیت آپ ﷺ میں نہ تھی حکم الٰہی کے مطابق حضرت جبریلؑ نے حضور ﷺ سے تین بار معانقہ کیا، اس طرح انہوں نے بذریعہ وحی آپ ﷺ میں پڑھنے کی صلاحیت پیدا کر دی اور آپ ﷺ نے پڑھ کر اس حکم کی تعمیل فرمائی اور اب آپ ﷺ قاری یعنی پڑھنے کی صلاحیت والے ہو گئے اور یقیناً دوسرے پڑھنے والوں سے آپ ﷺ کی صلاحیت زیادہ ہی ہو گی۔ کم نہ ہو گی۔ خصوصی تعلیم کو عام تعلیم سے بہتر ہی ہونا چاہیے۔"[4]

علامہ صاحب کی عبارتوں پر اگر غور کیا جائے تو ایک بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے اکثر بیانات اندازے پر مبنی ہیں۔ وہ اپنے ذہن کی اختراع کو بیان کرتے ہیں اور اسی کو حرف آخر سمجھتے ہیں۔ اور نہ صرف اپنی حد تک ایقان رکھتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی مجبور کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ ان کے نظریات کی تائید کریں۔ علامہ عمادی صاحب کی مندرجہ بالا مؤقف کو مفسرین کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کریں تو ہمیں کہیں کوئی ایسا نظریہ نہیں ملتا بلکہ تقریباً تمام محدثین نے غار حرا میں موجود واقعہ کو علامہ تمنا سے مختلف ہی بیان کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں یوں نقل کرتے ہیں:

> "آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جبرائیل (علیہ السلام) میرے پاس آئے اور کہنے لگے، اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اقراء پڑھو۔ آپ نے جواب دیا میں کیا پڑھوں؟ جبرائیل (علیہ السلام) نے مجھے سے چمٹا کر پھر کہا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پرھو! آپ نے کہا میں کیا پڑھوں؟ اس نے کہا اقراء باسم ربک الذی خلق، یہاں تک کہ وہ علم الانسان مالم یعلم تک پہنچے، پھر آپ خدیجہ (رض) کے ہاں آئے اور فرمایا اے خدیجہ! میرے خیال میں تو موت میرے سامنے پیش کی گئی ہے۔ اس نے کہا ایسا ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! آپ کا رب آپ کے ساتھ ایسا کرنے والا نہیں، آپ نے کبھی کسی بے حیائی کا ارتکاب نہیں کیا۔"[5]

اور غالباً علامہ صاحب شق صدر کی روایات کو درست تسلیم نہیں کرتے شائد اسی وجہ سے انہوں نے اپنے مؤقف کی دلیل کے لیے وہ پیش نہیں کیں۔ ورنہ ان روایات کی مدد سے انہیں اپنا نظریہ ثابت کرنا نسبتاً آسان تھا۔ جس میں وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ جب شق صدر ہوا تو اس میں حکمت و بصیرت رکھی گئی اور ساتھ میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت بھی شامل تھی۔ اور یہ بات ان کے لیے ایک مضبوط دلیل کی حیثیت رکھتی۔

"الانسان" عہد کا یا جنس کا

سورۃ علق کی آیت نمبر 5 "عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ"[6] میں تمنا عمادی صاحب اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ "الانسان" میں لام تعریف سے انسان عہد والا بنتا ہے یا جنس والا۔ ان کے نزدیک عہد والا ہی ہے، کیوں کہ اگر عہد والا مانا جائے تو انہیں اپنا مؤقف ثابت کرنا آسان ہو گا کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالی نے غار حرا میں لکھنا پڑھنا سکھا دیا تھا۔ مگر وہ یہ لچک دینے کے تیار ہیں کہ جنس والا مان لیا جائے مگر وہ یہاں پر ایک نئی منطق لے کر آجاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ صاحب فرماتے ہیں:

> "اگر الانسان پر الف لام عہد کا نہ مانا جائے جنس کا ہی مان لیا جائے اور نوع انسان مراد لی جائے جب بھی یہ سوال ہوتا ہے کہ اگر دوسروں کو قلم کے ذریعے ایسی باتوں کی تعلیم فرمائی گئی جن کو وہ قلم کے ذریعے تعلیم حاصل کئے بغیر جان نہیں سکتے اور اپنے رسول ہی کو قلم کے ذریعہ تعلیم نہیں فرمائی تو وہ باتیں جن کا علم بغیر تعلیم بالقلم کے حاصل نہیں ہو سکتا ان باتوں کے علم سے اپنے رسول ﷺ کو کیوں محروم رکھا؟ اپنے رسول ﷺ کو تو دوسروں سے زیادہ علم سکھانے کی ضرورت تھی۔"[7]

علامہ صاحب کی اس بات کی تائید بعض تفاسیر سے ملتی ہے کہ حضرت جبریلؑ نے جب اپنے ساتھ لگایا تو بہت سے علوم آپ ﷺ میں منتقل فرما دیے۔ جیسا کہ پیر کرم شاہ الازہری اس آیت کی تفسیر میں مولانا ثناءاللہ پانی پتی کے حوالے سے کچھ ایسا انداز اپناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "یحتمل ان یکون المراد بالانسان محمدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فاللہ سبحانہ علم نبیہ (صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) بتلک الغطات الثلاث علوم الاولین والآخرین"۔ یعنی ممکن ہے کہ اس آیت میں الانسان سے مراد محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کے تین بار بھینچنے سے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اولین وآخرین کے علوم سکھا دیے۔[8] مگر جو بات علامہ تمنا یہاں ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ مفسرین کے یہاں دستیاب نہیں ہے۔ یعنی اگر "قلم" کا تعلق وہاں پیش آنے والے واقعات سے ہے تو ایسی مراد میں علامہ صاحب کا تفرد پایا جاتا ہے۔

قلم اور رق منشور

علامہ صاحب صرف اس وقت قلم سے سکھانے کا نظریہ ہی نہیں پیش کرتے بلکہ قلم کے ساتھ رق منشور کی بھی بات کرتے ہیں ۔ گویا علامہ صاحب کے نزدیک کاغذ قلم دونوں ہی غار حرا میں پیش کیے گئے اور جو کچھ بھی پڑھنا سکھانا تھا وہ لکھا گیا اور پھر پڑھایا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے تین دفعہ لکھا ہوا پڑھنے سے انکار کیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا مگر اس کے بعد آپ ﷺ میں وہ صلاحیت پیدا کر دی گئی تھی کہ آپ لکھا ہوا پڑھ سکتے تھے اور پھر آپ ﷺ سے وہ پڑھوایا بھی گیا۔ یہ بات بیان کرتے ہوئے علامہ صاحب یہاں پر قصہ تمام نہیں کرتے ہیں بلکہ اس سے اگلی بات یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ میں لکھنے کی صلاحیت بھی پیدا کی گئی اور آپ ﷺ سے لکھوایا بھی گیا۔ چناچہ فرماتے ہیں:

> "اس لیے یقیناً حضرت جبریلؑ قلم بھی ساتھ لائے تھے۔ اور "رق منشور" (پھیلا کر خشک کی ہوئی جھلی جو کاغذ کی طرح لکھنے کے لیے بنائی جاتی تھی)۔ اس کا ایک ورق بھی ساتھ لائے تھے۔ اور جو کچھ حضور ﷺ سے پڑھوایا تھا اس کو حضور ﷺ سے اس رق منشور پر لکھوا بھی لیا تھا۔ ورنہ یہاں قلم سے لکھوانے کا ذکر کیوں فرمایا گیا۔"[9]

مندرجہ بالا عبارت کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علامہ صاحب اس بات پر بضد ہیں کہ قرآن کے اجمالی الفاظ سے جو واقعہ ان کو سمجھ آیا وہی حقیقت میں بھی واقعہ پیش آیا تھا چاہے اس پر کوئی وضاحت نہ قرآن کی کسی آیت سے ہو رہی ہو نہ حدیث سے اس کی دلیل ملتی ہو اور نہ کسی سیرت کی کتاب نے وہ واقعہ نقل کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ صاحب اپنی تائید میں کسی مفسر یا سیرت نگار کا حوالہ نہیں دیتے۔ قاضی ثناءاللہ پانی پتی ایک روایت بیان کرتے ہیں جو کہ جمہور مفسرین و سیرت نگاروں نے بیان نہیں کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

> "جبرائیل (علیہ السلام) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے خوبصورت ترین شکل اور پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ نمودار ہوئے اور کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! تم کو اللہ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم جن وانس کے لیے رسول (بنا کر بھیجے گئے) ہو، ان کو کلمہ لا الٰہ الاّ اللہ کی دعوت دو پھر جبرائیل نے اپنا پاؤں زمین پر مارا، فوراً پانی کا ایک چشمہ ابل پڑا۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے اس سے خود وضو کیا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو (اسی طرح) وضو کرنے کا حکم دیا (حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی وضو کیا) حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی (اپنے ساتھ) نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اس طرح جبرائیل (علیہ السلام) نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وضو اور نماز کی تعلیم دی پھر خود آسمان پر چڑھ گئے"۔[10]

نبی کریم ﷺ کا ہاتھ سے لکھنا

علامہ عمادی صاحب چونکہ روایات سے بہت دور ہیں لہذا اپنے نظریات پر صرف قرآنی شہادات پیش کرنے پر مجبور ہیں۔ اور ساتھ میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ میرے دعوی کی شہادت کسی روایت سے نہیں ملتی اور درایت سے جو استدلال میں نے کیا ہے اہل انصاف و دیانت تو ضرور تسلیم کریں گے مگر روایت پرست کبھی نہ مانیں گے۔[11] علامہ صاحب سورۃ عنکبوت کی آیت پیش کرتے ہیں: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔[12] اور ساتھ ہی ترجمہ کرتے ہیں: "اور تم (اے رسول) اس (قرآن کے نزول) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے۔ (ورنہ) اس وقت یہ باطل پرست لوگ بہت شک شبہے پیش کرتے رہتے۔"[13] علامہ صاحب اس آیت سے استدلال لیتے ہیں کہ بعثت کے وقت آپ ﷺ کو لکھنے پڑھنے دونوں کی صلاحیت بدرجہ اتم عطا فرمادی گئیں ورنہ اس آیت میں "من قبلہ" کا فقرہ نہ ہوتا۔ یہ "من قبلہ" صاف بتا رہا ہے کہ من بعدہ آپ ﷺ میں ضرور لکھنے پڑھنے کی صلاحیت آگئی تھی۔ یہ مفہوم مراد لینے میں علامہ تمنا کے ہم ذہن وہ لوگ ہیں جو یا منکرین حدیث یا مستشرقین میں سے ہیں یا عقیدت میں غلو کے باعث یہ مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ اس حوالے سے علامہ عبد السلام بھٹوی صاحب لکھتے ہیں:

> "بعض لوگوں نے "من قبلہ" کے لفظ سے دلیل لی ہے کہ نبوت سے پہلے تو آپ فی الواقع لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، مگر نبوت کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ ان حضرات نے عقیدت میں غلو کی وجہ سے یہ بات کہی ہے، یہ نہیں سوچا کہ ایک شخص ان پڑھ ہو کر سارے جہاں کا استاذ بن جائے، یہ زیادہ حیران کن بات اور اللہ تعالٰی کی قدرت کا کرشمہ ہے یا یہ کہ کوئی عالم فاضل اور پڑھا لکھا شخص کوئی کتاب تصنیف کر کے لے آئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آخری وقت تک امیّ ہونے کی دلیل صلح حدیبیہ کے معاہدے کا واقعہ ہے، جس کا صلح نامہ علی بن ابی طالبؓ نے تحریر کیا تھا۔ فَقَالَ لِعَلِيٍّ امْحُ رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ عَلِيٌّ وَاللّٰہِ! لَا اَمْحَاہُ اَبَدًا قَالَ فَاَرِنِیْہِ قَالَ فَاَرَاہُ اِیَّاہُ، فَمَحَاہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ)[14] اور وہیں پہ جب نام مٹانے کی باری آئی تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا کہ مجھے دکھاؤ کہاں لکھا ہے۔ پھر جب دکھایا گیا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔[15]

یہ بات بڑی واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کو امی تسلیم کیا جائے اور پڑھنے لکھنے کے عدم ثبوت کو مانا جائے جیسا کہ قرآن و سنت کی مرضی و منشاء ہے تو یہ بات قرآن حکیم کے حوالے سے قطعاً معجزاتی ہو گی کہ کیسے ایک ان پڑھ شخص اتنا بڑا کلام لا سکتا ہے، یہ تو یقیناً کسی اعلی ہستی کا کلام ہے۔ اور اگر نبی کریم ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے ہوتے تو کفار بہت سی باتیں بناتے کہ یہ تو اپنے پاس سے کتاب گھڑ لی گئی ہے۔ اب جب کہ حضور ﷺ امی تھے اور اس بات سے اہل مکہ اچھے سے واقف تھے اسی لیے انہوں نے اعتراض کا انداز بدل دیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کا اعتراض اس طرح بیان کیا گیا: وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا[16]" اور انھوں نے کہا یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھوا لی ہیں، سو وہ پہلے پہر اور پچھلے پہر اس پر پڑھی جاتی ہیں۔" یعنی کفار کا یہ الزام تھا کہ آپ ﷺ نے معاذ اللہ یہ قرآن کسی سے لکھوا لیا ہے۔ اگر آپ ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے ہوتے یا نبوت کے بعد ہی سب کچھ لکھنا پڑھنا آ گیا ہوتا تو وہ کبھی بھی یہ الزام نہ لگاتے، بلکہ یوں کہتے کہ آپ نے خود سے لکھ لیا ہے۔ شائد علامہ صاحب کی نظر سے یہ آیت نہیں گزری ورنہ شائد وہ اپنے مؤقف میں کچھ نرمی

پیدا کرتے۔ اور یہ بھی تصور کیجیے کہ مشرکین نے ابھی نسبتاً چھوٹا الزام لگایا ہے اور اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو باطل پرستوں کے شکوک وشبہات کا اور بہتان باندھنے کا کیا حال ہوتا۔

جنگی قیدی اور غلام

علامہ تمنا صاحب رقم طراز ہوتے ہیں کہ: "پورے قرآن مجید میں کہیں بھی کوئی ایسا حکم نہیں ملتا کہ جہاد میں جو قیدی تمہارے ہاتھ آئیں تم ان کو اپنا غلام بنالو اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا کر بلا نکاح اپنے مصرف میں لے آؤ۔"[17] یعنی علامہ صاحب کے نزدیک "اوماملکت ایمانکم" جہاں جہاں آیا ہے اس سے مراد جاہلی دور سے جو غلام بکتے بکاتے آئے وہ مراد ہیں۔ جنگ میں قیدی کی حیثیت غلام کی نہیں ہوسکتی۔ اس کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا یہ قیدی کے بدلے چھوڑا جائے گا یا احسان کرتے ہوئے چھوڑا جائے گا یا اگر مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے تو وہ اس کا غلام نہیں بنے گا بلکہ قیدی کی حیثیت سے رہے گا جب بھی فدیہ ملے وہ آزاد ہو جائے گا۔ علامہ صاحب کا یہ مؤقف اس وقت تک درست تسلیم کیا جا سکتا تھا جب تک کہ اس کے خلاف قرآن وسنت سے دلائل میسر نہ آتے۔ قرآن کی تعبیر و تشریح کو سمجھنے کے لیے سنت اولین مصدر ہے۔ چنانچہ دور نبوت میں کئی ایک واقعات پیش آئے جہاں آپ ﷺ نے جنگی قیدیوں کو غلام بنایا اور عورتوں کو لونڈیاں بنا کر مجاہدین میں تقسیم فرمایا۔ پھر اسی طرح صحابہ کرامؓ نے بھی متعدد جنگیں لڑیں جس میں انہوں نے بہت سی غلام عورتوں کو لونڈیاں بنایا۔ جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کے حوالے سے علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

> "میدان جنگ میں جو کافر قید ہو جائیں ان کو غلام بنالیا جاتا ہے اور امیر لشکر ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا ہے اور جو کافر عورتیں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوں اور قید ہو جائیں ان کو باندیاں بنالیا جاتا ہے اور امیر لشکر ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا ہے اور ان باندیوں کے ساتھ ان کے مالک بغیر نکاح کے مباشرت کر سکتے ہیں۔"[18]

جنگی قیدیوں کو یوں ہی غلام نہیں بنالیا جاتا بلکہ شریعت اسلامی نے اس کے لیے اصول مقرر کیے ہیں جن کی پاسداری ضروری ہے۔ چنانچہ ان اصولوں پر مولانا مودودی کچھ یوں روشنی ڈالتے ہیں: "لونڈیوں سے تمتع کے معاملہ میں بہت سی غلط فہمیاں لوگوں کے ذہن میں ہیں۔ لہٰذا حسب ذیل مسائل کو اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیے:[19]

1) جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہوں ان کو پکڑتے ہی ہر سپاہی ان کے ساتھ مباشرت کر لینے کا مجاز نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی قانون یہ ہے کہ ایسی عورتیں حکومت کے حوالہ کر دی جائیں گی۔ حکومت کو اختیار ہے کہ چاہے ان کو رہا کر دے، چاہے ان سے فدیہ لے، چاہے ان کا تبادلہ ان مسلمان قیدیوں سے کرے جو دشمن کے ہاتھ میں ہوں، اور چاہے تو انھیں سپاہیوں میں تقسیم کر دے۔
2) جو عورت اس طرح کسی کی ملک میں دی جائے اس کے ساتھ بھی اس وقت تک مباشرت نہیں کی جاسکتی جب تک کہ اسے ایک مرتبہ ایام ماہواری نہ آجائیں اور یہ اطمینان نہ ہولے کہ وہ حاملہ نہیں ہے
3) جو عورت جس شخص کے حصہ میں دی گئی ہو صرف وہی اس کے ساتھ تمتع کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے کو اسے ہاتھ لگانے کا حق نہیں ہے۔

4) اس عورت سے جو اولاد ہو گی وہ اسی شخص کی جائز اولاد سمجھی جائے گی جس کی ملک میں وہ عورت ہے۔ اس اولاد کے قانونی حقوق وہی ہوں گے جو شریعت میں صلبی اولاد کے لیے مقرر ہیں۔
5) صاحب اولاد ہو جانے کے بعد وہ عورت فروخت نہ کی جاسکے گی۔ اور مالک کے مرتے ہی وہ اپنے آپ آزاد ہو جائے گی۔
6) جو عورت اس طرح کسی شخص کی ملک میں آئی ہو اسے اگر اس کا مالک کسی دوسرے شخص کے نکاح میں دیدے تو پھر مالک کو اس سے دوسری تمام خدمات لینے کا حق تو رہتا ہے لیکن شہوانی تعلق کا حق باقی نہیں رہتا۔
7) اسیران جنگ میں سے کسی عورت کو کسی شخص کی ملکیت میں دے دینے کے بعد پھر حکومت اسے واپس لینے کے مجاز نہیں رہتی۔

لونڈیوں کو فراش بنانا

علامہ صاحب کا موقف یہ ہے کہ غلام عورت کو بغیر نکاح کے فراش نہیں بنایا جاسکتا وہ اپنے اس موقف پر قرآن مجید سے کچھ دلائل بھی نقل کرتے ہیں۔ ان کا ماننا یہ ہے کہ کنیز صرف اسی صورت میں جائز ہو سکتی ہے جبکہ اس کے ساتھ نکاح کر لیا جائے۔ علامہ صاحب اس پر اپنی دلیل پیش کرتے ہیں:"وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ"[20] اس آیت کی تشریح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:"اگر اپنی لونڈیوں کو بلا نکاح فراش بنانے کا حق آقا کو حاصل ہوتا تو لونڈیوں کے نکاح کر دینا حکم نہ ہوتا۔ بلکہ یوں کہا جاتا کہ تم اپنی لونڈیوں کو اپنا فراش بنالو۔ اگر نہیں بناتے تو کسی دوسرے سے ان کا نکاح کر دو۔ یہاں جس طرح غلاموں کے نکاح کے لیے حکم ہوا، بالکل اسی طرح لونڈیوں کے نکاح کا حکم ہے۔ یعنی جس طرح غلاموں کو بلا نکاح آقائین اپنا ہم بستر نہیں بنا سکتی، بالکل اسی طرح لونڈیوں کو ان کا آقا بلا نکاح ہم بستر نہیں بنا سکتا۔ اسی لیے دونوں کے لیے یکساں طور سے نکاح کر دینے کا حکم ہوا۔ چاہے وہ نکاح خود اپنے ساتھ کرے یا دوسرے کے ساتھ۔"[21] علامہ صاحب نے یہاں یہ نہیں سوچا کہ لونڈیوں کے نکاح کر دینے کا حکم ہے خود سے نکاح کر لینے کا حکم تو نہیں ہے۔ یہ جملہ قرآن کی کس آیت سے نکال رہے ہیں کہ چاہے وہ نکاح خود اپنے ساتھ کر لے۔ اگر خود اپنے ساتھ کرنے کا معنی نکال رہے ہیں تو اس کا اطلاق سب پر ہی ہو گا۔ یعنی کسی بھی ولی کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ خود سے اس کا نکاح کر لے۔ دوسرا اعتراض ان کا یہ کہ اگر آقائیں اپنے غلاموں کو بغیر نکاح کے بستر پر نہیں لا سکتیں اس طرح آقا بھی اپنی کنیز کو بغیر نکاح کے فراش نہیں بنا سکتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ صاحب نے یہ کس بنیاد پر فرض کر لیا کہ آقا مرد اور آقا عورت کے احکامات میں کوئی فرق نہیں ہے؟

باندی کا آقا سے پردہ

علامہ صاحب "آیت اظہار زینت سے استدلال" نامی عنوان قائم کر کے سورۃ النور میں عورتوں کو دیے گئے پردہ والے حکم کی آیت ذکر کرتے ہیں:وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ-وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ ۔ [22]

مندرجہ بالا آیت نقل کرنے کے بعد ایک زبردست مقدمہ قائم کرتے ہیں اور سوال اٹھاتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں شوہر سے پردہ نہ کرنے کا تو حکم دیا ہے مگر آقا سے عدم پردہ کا حکم نہیں ہے؟ کیا وہ آقا کے سامنے زینت ظاہر کرے گی یا نہیں کرے

گی؟اگر وہ آقا کے سامنے زینت ظاہر کرے تو مذکورہ بالا آیت میں نامبردہ میں سے کس حیثیت سے ظاہر کرے گی؟اور ساتھ ہی جواب بھی دیتے ہیں کہ مولی کالفظ اس فہرست میں نہیں ہے اس لیے آقا کے سامنے زینت ظاہر نہیں کر سکتی اور اگر زینت ظاہر نہیں کر سکتی تو حفاظت فرج تو بدرجہ اولی فرض ہو گی۔اور اگر یہ کہا جائے کہ آقا کو "بعولہ"یعنی شوہر کی حیثیت دی جائے گی اس لیے کہ اس نے اس کو اپنا فراش بنالیا ہے اور صاحب فراش ہی کو بعل کہتے ہیں تو پھر مزنیہ کے لیے زانی کو بعل ہو جانا چاہیے۔کیوں کہ اس نے اس کو اپنا فراش بنالیا۔حالانکہ کوئی بھی زانی کو مزنیہ کا بعل نہیں کہتا اور جب آقا اپنی ملک یمین کو فراش بنانے کے بعد اس کا بعل ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس کی زوجہ کیوں نہ کہی جائے گی؟اور اگر آقا نے اس کو اپنا فراش نہیں بنایا تو اس وقت تک کسی طرح بھی وہ "بعولۃ"یعنی شوہروں کی حیثیت میں داخل نہیں ہو سکتا اور پھر فہرست سے بالکل ہی خارج رہے گا۔[23] مزید کہتے ہیں کہ اس بات کی کوئی وجہ سامنے نہیں آتی کہ عورت کے لیے تو اس کا ملک یمین محرم ہو جائے اور جب تک آزاد نہ ہو وہ باہم نکاح تک حرام ہو جائے اور ایسا کیوں ہے کہ مرد کے لیے اس کی ملک یمین ایسی حلال ہو جائے کہ بغیر آزاد کیے ہی نہیں بلکہ بغیر نکاح کے بھی فراش بن سکے؟[24] مندرجہ بالا بیانات میں تمنا عمادی صاحب فلسفیانہ انداز میں بحث کر رہے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ باندی بغیر نکاح کے فراش نہیں بنائی جا سکتی اور وہ خود سے سوال اٹھا کر خود ہی جواب دے کر پھر خود ہی ثابت کر رہے ہیں کہ ان کا مؤقف درست ہے۔علامہ صاحب کو درمیان میں ایک سوال کا جواب دے دیا جائے تو مقدمہ بدل سکتا ہے جیسا کہ اگر یہ کہا جائے کہ آقا کو بعل کی حیثیت تھی اس لیے فراش بنایا،نہ کہ اس لیے بعل کی حیثیت دی گئی کیوں کہ فراش بنایا۔

دوسری بات یہ کہ اس آیت میں جو احکامات ذکر ہیں وہ ایک آزاد عورت کے لیے ہیں یہاں لونڈیوں کو حکم نہیں دیا جا رہا۔اور اگر یہ "مؤمنات"کا اطلاق غلام عورتوں پر بھی ہوتا تو پھر آیت میں "مالملکت ایمانکم"کا کیا ترجمہ کرنا تھا۔یعنی لونڈیوں کی لونڈیاں بھی ماننا پڑنا تھا۔لہذا اس آیت سے علامہ صاحب نے جو مقدمہ قائم کیا وہ بالکل بے بنیاد اور سوء فہم پر مبنی ہے۔

لونڈی سے نکاح

تمنا عمادی صاحب لونڈی سے نکاح کا حکم کا عنوان باندھ کر سورۃ نساء کی آیت نقل کرتے ہیں:فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ-فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ-ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْاؕ[25] مذکورہ بالا آیت لکھنے کے بعد خود ہی ترجمہ کرتے ہیں:

> "اس آیت کریمہ میں نکاح کا حکم ہے جو فانکحوا سے ظاہر ہے۔کس سے نکاح کرو۔عام عورتوں سے یعنی محرمات کے سوا ہر اجنبی عورت سے نکاح کر سکتے ہو جو پسند آئے۔ایک ایک،دو دو،تین تین،چار چار۔بشرطیکہ ان میں عدل قائم رکھ سکو۔اگر ڈرو کہ عدل نہ ہو سکے گا تو بس ایک ہی پر اکتفاء کرو۔یا اپنی ملک یمین سے نکاح کر لو۔یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم مشقت میں نہ پڑو اور عام عورتوں سے نکاح کرو تو انہیں ان کا زرمہر بکشادہ پیشانی ادا کر دو"۔[26]

پھر لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ کا بس صرف یہی صحیح ترجمہ ہے۔اس کے سوا کوئی دوسرا صحیح ترجمہ نہیں ہو سکتا۔گویا علامہ صاحب "اومالملکت ایمانکم"کو بھی نکاح والے حکم میں شامل کر رہے ہیں۔اگر ان کی یہ بات درست مان لی جائے تو پھر مزید سوال پیدا ہوتے ہیں۔جیسا کہ لونڈیوں کی تعداد کتنی ہو؟اگر نکاح کا عطف باندیوں پر بھی آرہا ہے تو کیا تعداد کا عطف نہیں آئے گا؟اور

چار کی تعداد کا عطف اگر آزاد عورتوں پر آرہا ہے تو کنیزوں پر بھی آئے گا؟ اگر کنیزوں کی تعداد بھی چار ہو تو کیا آزاد عورتوں کے ساتھ چار نکاح کے علاوہ چار کنیزیں ہوں گی یا کل ملا کے چار کا عدد پورا کرنا ہو گا؟ لہٰذا اگر شریعت کا درست مزاج سمجھا جائے تو مندرجہ بالا سوالات پیدا نہیں ہوں گے۔ اور شریعت کا مزاج سمجھنے کے لیے صرف قرآن ہی کافی نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ کو بھی دیکھنا ہوتا ہے۔ جس کی زحمت علامہ موصوف نے گوارا نہیں کی۔ لہٰذا اس کی درست تفسیر مندرجہ بالا مصادر کی روشنی میں یہی بنتی ہے کہ نکاح کے حوالے سے عدل کا حکم آزاد عورتوں کے لیے ہے جب کہ کنیزوں کے مابین عدل کا حکم وارد نہیں ہوا۔ چناچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: "او ماملکت ایمانکم۔ اس سے مراد لونڈیاں ہیں اس کا عطف واحدۃ پر ہے یعنی اگر ایک میں بھی عدل نہ کرسکنے کا خوف ہو تو پھر لونڈیاں رکھو، اس میں دلیل ہے کہ وطی اور باری میں لونڈی کا حق نہیں ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم باری مقرر کرنے میں عدل نہ کرو تو ایک عورت سے نکاح کرو یا لونڈیاں رکھو۔ پس وطی اور قسم میں لونڈیوں کا حق ہونے کی نفی ہو گئی، مگر یہ کہ دائیں ہاتھ کی ملک عدل میں معاشرت اور غلام کے ساتھ نرمی کے وجوب کے ساتھ قائم ہے اللہ تعالیٰ نے ملک کو الیمین کی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ یہ مدح کی صفت ہے اور یمین محاسن کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ محاسن پر قادر ہوتا ہے، کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ دایاں ہاتھ منفقہ (خرچ کرنے والا) ہے جیسا کہ نبی کریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا: حتی لا تعلم شمالہ ماتنفق یمینہ [27] (یعنی جو دایاں ہاتھ خرچ کرے بائیں ہاتھ میں کو بھی معلوم نہ ہو) یہ معاہدہ اور بیعت کرنے والا ہے اس وجہ سے قسم کو بھی یمین کہا جاتا ہے، یہ بزرگی کے جھنڈوں کو پانے والا ہے"۔[28]

علامہ ابو البراکات نسفی بھی اسی قسم کی تشریح کرتے ہیں اور وہ "ذالک" کے بارے فرماتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے کہ آپ اپنے لیے انتخاب کر لیں آزاد عورتوں میں سے ایک کا یا پھر باندیاں رکھ لیں۔ "فَاِنْ خِفْتُمْ اَلاَّ تَعْدِلُوْا (اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے) اس اعداد میں تو فَوَاحِدَۃً (تو ایک کو لازم کرلو) یا چناؤ کرلو۔ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (جن کے مالک تمہارے لونڈی غلام ہوں) مساوات حقوق جو آزاد عورتوں کے مابین لازم ہے وہ باندیوں کے لیے لازم نہیں نہ ان کی کوئی تعداد مقرر ہے۔ ذٰلِکَ اس کا اشارہ ایک کے چناؤ اور لونڈیاں رکھنے میں ہے"۔[29]

قرآن دور نبوت میں مکمل مرتب ہو چکا تھا

علامہ صاحب کا ایک زبردست مؤقف یہ بھی ہے کہ اللہ نے خود پورے قرآن کو رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پہلے مکمل کر کے رسول ﷺ و صحابہ کے ہاتھوں سے اس کو مرتب و مدون کروادیا تھا اور ہر گھر میں قرآن کے متعدد نسخے تھے۔ اس لیے ان کو تو خاص طور سے تلاوت اور حفظ قرآن کا حکم تھا۔ علامہ صاحب سورۃ احزاب کی آیت پیش کرتے ہیں: وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا[30] "اور تم لوگ یاد کرتے رہو آیات اللہ اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے گھروں میں تلاوت ہوتی رہتی ہیں۔" اور ہر ایک کے پاس کتابی صورت میں پورا قرآن لکھا ہوا موجود تھا۔ کہتے ہیں کہ ان براھین قاطعہ کے باوجود کیا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ قرآن عہد نبوی ﷺ میں جمع نہیں ہوا تھا؟ اور وہ دور صدیقی میں جمع قرآن کے واقعہ کو من گھڑت اور سازش قرار دیتے ہیں۔[31]

یہ بات بھی شاید علامہ صاحب نے خود ہی فرض کرلی ہے کہ قرآن کے متعدد نسخے ہر گھر میں موجود تھے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بات تاریخی طور پر ثابت نہیں کہ ہر گھر میں پورا قرآن لکھا ہوا موجود تھا۔ اور یہ ممکن بھی نہیں تھا کیونکہ ہزاروں لوگ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور فتح مکہ سے وفات تک زمانہ بہت کم ہے اتنے عرصے میں دربار نبوی میں آکر قرآن یاد کرلینا یا

لکھ لینا بظاہر ممکن نہیں جبکہ وحی اور غزوات کا سلسلہ بھی جاری تھی۔ دوسری بات یہ کہ عملاً یہ ناممکن ہے کہ قرآن کے نزول کے ساتھ ساتھ نسخے تیار ہوتے رہے ہوں اور وہ دس لاکھ مربع میل کے علاقے میں ہر گھر تک پہنچتے رہے ہوں۔ عملاً جو چیز ممکن ہے وہ یہ ہے کہ لکھنا پڑھنا جاننے والے صحابہ جو وحی سنتے تھے وہ اپنے لئے لکھ لیتے تھے اور پورا قرآن صرف وہ ہی لوگ لکھ سکے تھے جو ہر وقت مسجد میں موجود ہوتے تھے یا بکثرت آتے رہتے جیسے حضرت ابو بکر و عمر کہ مدینہ سے باہر منتقل ہو گئے تھے لیکن بکثرت آتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے ایسے صحابہ تھوڑی تعداد میں ہی ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ستر اگر یمامہ میں شہید ہو جائیں اور بقیہ میں سے بھی جہاد اور تجارت کی غرض سے کئی لوگ مدینہ سے باہر ہوں تو فکر مندی تو بنتی ہے۔ عہد صدیقی میں قرآن مجید ایک مصحف میں بشکلِ کتاب مرتب نہیں ہوا تھا، بلکہ مختلف صحیفوں (کتابچوں یا اوراق کی شکل) میں لکھ لیا گیا تھا۔ حدیث نبوی میں ان کو "صحف" (صحیفوں) کا نام دیا گیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ کی تشریح کے مطابق وہ الوراق المجردہ یعنی منتشر اوراق تھے۔ مصحف اور صحف کا فرق بتاتے ہوئے حافظ موصوف نے لکھا ہے کہ مصحف تو سورتوں کی ترتیب کے مطابق اور بشکل کتاب ہوتا ہے، جب کہ صحف منتشر اوراق ہیں جن میں سورتیں ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ پیوست کر دی گئی تھیں۔ یہی صحف صدیقی ہیں۔[32] علامہ صاحب نے اس بات کو بیان نہیں کیا کہ وہ کونسے صحابہ تھے جن کے ہاتھوں سے اللہ نے خود پورے قرآن کو رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پہلے مرتب و مدون کروا دیا تھا۔ اور نہ ہی ان نسخوں میں سے کسی ایک نسخے کا بالدلیل ذکر کیا جو ہر گھر میں موجود تھے۔

خلاصۂ بحث

ہماری اس مکمل بحث کا خلاصہ چند الفاظ میں یوں پرویا جا سکتا ہے کہ علامہ تمنا عمادی ایک جدت پسند سوچ رکھنے والے روایات سے قدرے اعراض کرنے والے اور قرآن کی تشریح حتی الامکان قرآن سے کرنے کے قائل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی بہت سی تحریرات میں تفسیری مباحث جمہور اہل سنت مفسرین سے مختلف بلکہ مخالف ہوتیں۔ بعض اوقات وہ باقاعدہ مفسرین کا رد کر رہے ہوتے ہیں اور اپنا مؤقف جو قرآن سے بظاہر ان کو معلوم ہو رہا ہوتا ہے اسے حرف آخر منوانے پر بضد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ غار حرا میں پہلی وحی کے وقت لکھا ہوا قرآن پیش کیا گیا اور آپ ﷺ کو پڑھایا بھی گیا اور آپ ﷺ کے ہاتھ سے لکھوایا بھی گیا۔ اور آپ نزول وحی کے بعد لکھنا پڑھنا جان چکے تھے۔ حالانکہ یہ جمہور مفسرین و محدثین اور اہل سنت کے مؤقف سے متضاد ہے۔ اسی طرح جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی سخت مخالفت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ غلام عورتوں کے ساتھ بلا نکاح ہم بستری کو بغا اور زنا کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ قرآن کے بارے میں یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ عہد نبوی میں ہی مرتب و مدون ہو چکا تھا۔ تدوین قرآن عہد صدیقی میں نہیں ہوا بلکہ یہ واقعہ واضعین کی ایک سازش ہے۔

مصادر

[1] ۔حافظ زبیر علی زئی، "نزول مسیح حق ہے۔" الحدیث، شمارہ۔6(2004ء):23۔
[2] ۔مالک رام، تذکرہ معاصرین (لکھنؤ: اردو اکیڈمی، 1973ء),2:93
[3] ۔تمنا عمادی پھلواروی، الصلاۃ الخمسہ (کراچی: الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ، 1998ء),20
[4] ۔تمنا، الصلوۃ خمسہ، 21
[5] ۔ابن جریر طبری، جامع البیان في تأويل القرآن (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، 2000ء),24:519

[6] ۔ سورۃ العلق:5
[7] ۔ تمنا، الصلوۃ خمسہ، 21
[8] ۔ پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 1400ھ)، 612:5
[9] ۔ تمنا، الصلوۃ خمسہ، 21
[10] ۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری (کراچی: دارالاشاعت، 1999ء)، 309:12
[11] ۔ تمنا، الصلوۃ خمسہ، 22
[12] ۔ سورہ العنکبوت:48
[13] ۔ تمنا، الصلوۃ خمسہ، 23
[14] ۔ محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح (بیروت: دار ابن کثیر، 1987ء) ح:3184
[15] ۔ عبد السلام بن محمد، تفسیر القرآن الکریم (لاہور: دارالاندلس، 2016ء) 480:4
[16] ۔ سورۃ الفرقان:5
[17] ۔ تمنا عمادی مجیبی، الدرر الثمین (امرتسر: دفتر امت مسلمہ، 1943)، 4
[18] ۔ علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن (لاہور: فرید بک سٹال، 2009ء)، 623:2
[19] ۔ مولانا ابو الاعلی مودودی، تفہیم القرآن (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، س ن)، 340:1
[20] ۔ سورۃ النور:32
[21] ۔ تمنا، الدرر الثمین، 17
[22] ۔ سورۃ النور:31
[23] ۔ تمنا، الدرر الثمین، 18
[24] ۔ تمنا، الدرر الثمین، 19
[25] ۔ سورۃ النساء:3
[26] ۔ تمنا، الدرر الثمین، 18
[27] ۔ ابو عیسی محمد بن عیسی الترمذی، سنن ترمذی (بیروت: دار الحیاء التراث العربی، س ن)، 598:4
[28] ۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن (القاہرہ: دار الکتب المصریۃ، 1964ء)، 11:5
[29] ۔ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی، مدارک التنزیل وحقائق التاویل (بیروت: دار النفائس، 2005ء)، 201:1
[30] ۔ سورۃ احزاب:34
[31] ۔ تمنا عمادی مجیبی، جمع القرآن (کراچی: الرحمن پبلشنگ، 1994ء) 159
[32] ۔ حافظ احمد بن حجر عسقلانی، فتح الباری (بیروت: دار المعرفۃ، 1379ھ)، 11:9